کلامِ بشیر

یعنی

حضرت مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ کی پاکیزہ نظموں کا مجموعہ

مرتبہ

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

شائع کردہ

محمد احمد اکیڈمی

رام گلی نمبر ۳ و ۴، لاہور

قیمت فی جلد ۲۵ نئے پیسے

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وعلی عبدہ المسیح الموعود

پیش لفظ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد رضی اللہ عنہ جہاں نثر مضامین نہایت عمدہ اور اور اعلیٰ پایہ کے لکھتے تھے وہاں کبھی کبھی اشعار میں بھی اپنے خیالاتِ عالیہ کا اظہار فرمایا کرتے تھے مگر بہت ہی کم۔ مگر جب بھی جو نظم یا جو اشعار آپ کے قلم سے نکلے وہ خالص اسلامی اور مذہبی رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے تھے۔ فضول اور ناعیفی شاعری سے آپ نے کبھی اپنے دامن کو آلودہ نہیں کیا اور ہمیشہ پُر معارف۔ پُر کیف اور اثر انگیز شعر کہے۔ آپ نے پہلی نظم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مدح میں ۱۹۰۹ء میں کہی۔ جبکہ آپ کی عمر ۱۵ برس کی تھی۔ اور سب سے آخری نظم جو مجھے ملی ہے۔ وہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء کی تصنیف ہے جو ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۸ء کے الفضل میں چھپی۔ آپ کی مختصر نظموں کا مجموعہ گلدستہ عرفان کے نام سے پہلی مرتبہ کتاب گھر قادیان نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو شائع کیا تھا۔ بعد میں حافظ فیض اللہ صاحب تاجر کتب قادیان نے بھی اس مجموعہ کو چھاپا۔ اس کے علاوہ ابوالفضل محمود صاحب نے بھی ایک مجموعہ حضرت میاں صاحب رضی

کی نظموں کا شائع کیا تھا۔ اب چوتھی مرتبہ حصول ثواب کی خاطر میں اس مجموعہ کو شائع کر رہا ہوں۔ ان نظموں کے تمام اڈیشن اب نایاب ہیں اور کہیں نہیں ملتے۔ میں محبّ محترم جناب مولوی دوست محمد صاحب مؤلف تاریخ احمدیت کا ممنون ہوں کہ اُنہوں نے نہایت مہربانی فرما کر اس کا پہلا اڈیشن تلاش کر کے مجھے بھجوایا۔ تب جا کر میں یہ دلچسپ اور پرلطف کتاب ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر سکا۔ میں نے اس مجموعہ کا نام "کلام بشیر" رکھا ہے۔ اس مجموعہ کی آخری نظم کے مہیا کرنے کے لئے میں اپنے نہایت ہی عزیز دوست مسعود احمد خاں صاحب دہلوی بی۔اے مدیر ماہنامہ انصار اللہ ربوہ کا شکر گزار ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک اپنے فضل سے اس مجموعہ کو مقبول بنائے۔ آمین۔

خاکسار محمد اسماعیل پانی پتی

۱۲ دسمبر ۱۹۶۳ء

رام گلی نمبر ۳۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؎ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم ؎

در مدح حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(۱۹۰۸ء یعنی بچپن کی کہی ہوئی نظم)

تجھے دیکھا تو سارے اولیاء و انبیاء دیکھے
ظہورِ اولیاء تُو ہے بروزِ انبیاء تُو ہے

کلیم اللہ بننے کا شرف حاصل ہؤا تجھ کو
خدا بولے نہ کیوں تجھ سے کہ محبوبِ خدا تُو ہے

اندھیرا چھا رہا تھا سب، اُجالا کر دیا جس نے
وہی بدرالدجیٰ تُو ہے، وہی شمس الضحیٰ تُو ہے

گنہگاروں کو اپنی اِک نظر سے پاک کر ڈالے
خدا سے پھر ملائے جو وُہ مردِ باصفا تُو ہے

وہ خاطی ہیں جو کہتے ہیں، نہیں ہے کیمیا کچھ شئے
مسِ جاں کے لئے دیکھیں وہ آکر کیمیا تُو ہے

گئے اسلام کے خطرے کے دن جب سے کہ تُو آیا
خدا سے[1] کشتیٔ اسلام کا اب ناخدا تُو ہے

[1] یعنی خدا کی طرف سے

گناہ سے پاک کر ہم کو شفا بیماریوں سے دے
تو ہم مُردوں کو زندہ کر کہ عیسیٰؑ سے سوا تو ہے

پند و نصیحت

(دسمبر ۱۹۰۹ء)

اپنا غمخوار مجھ کو جان اے دوست
میرا کہنا کبھی تو مان اے دوست

دُنیائے دُوں سے مت لگانا دل
چند روزہ ہے یہ جہان اے دوست

پھول جتنے بھی چُن سکے چُن لے
ہے اُجڑنے کو بوستان اے دوست

دین سے پھیرتا ہے تو مُنہ کیوں؟
راس پہ لگتا نہیں لگان اے دوست

دین سے جو تجھے کرے غافل
بات اس کی کبھی نہ مان اے دوست

اس سے نکلیں گے بے بہا موتی
ایسی اسلام کی ہے کان اے دوست

لُوٹ لے دین کا خزانہ تُو
اس سے غافل ہے سب جہان اے دوست

گر خدا کی طرف جھکے گا تُو
وہ بھی خود ہوگا مہربان اے دوست

کر تُو یادِ خدا کہ پیری میں
تجھ کو رکھیگی یہ جوان اے دوست

اپنے دل میں جگہ خدا کو دے
پائے جنت میں تا مکان اے دوست

کرلے جو کچھ کہ ہو سکے تجھ سے
سر پہ آیا ہے امتحان اے دوست

کھانے پینے میں رہ نہ تُو کہ نجات
تجھ کو دینگے نہ توت و نان اے دوست

بدگمانی ہے زہرِ قاتل ایک | ہو کبھی بھی نہ بدگمان اے دوست
گالیاں سُن کے ایسا ہو خاموش | گویا مُنہ میں نہیں زبان اے دوست
تجھ کو رکھنا ہے گر نشاں اپنا | خود مٹا اپنا تُو نشان اے دوست
غم اُٹھانے پڑیں گے، گر رہنا | چاہتا ہے تُو شادمان اے دوست
چاہتا ہے اگر کہ شان بڑھے، | چھوڑ دے اپنی آن بان اے دوست
تجھ پہ اللہ اپنا رحم کرے، | اور ہو تجھ پہ مہربان اے دوست

روز و شب ہے دُعا یہ احمدؐ کی
تیرا جنّت میں ہو مکان اے دوست

موت

(سنہ ۱۹۰۹ء)

ہر ایک کو دکھاتی ہے اپنی بہار موت
ہر ایک ہی کے ہوتی ہے سر پر سوار موت
پنجے سے اُس کے چھوٹ کر جائے کوئی کہاں
پھیلائے جال بیٹھی ہے ہر سُو ہزار موت
جو مر مٹے ہیں مر کے بھی زندہ رہیں گے وُہ
جتنا نکالنا ہو نکالے بخار موت

تیغِ نگاہِ یار کا کُشتہ ہُوں مَیں، جبھی
ڈرتا نہیں کبھی بھی ڈرائے ہزار مَوت

میری دُکھوں میں شدّتِ طبع کو دیکھ کر
ہوتی ہے دل ہی دل میں بہت شرمسار مَوت

مرنا تو وصلِ یار ہے یہ جانتا ہُوں مَیں
مجھ کو بھلا ڈراتی ہے کیوں بار بار مَوت

مُسلم کو وصلِ یار ہے، کافر کو وصلِ نار
اخبارِ آخرت کا ہے نامہ نگار مَوت

خواہش اگر کوئی ہے تو احمدؔ کی ہے یہی
اسلام پر ہی دے مجھے پرورِدگار موت

انقطاع الی اللہ

(۱۹۱۰ء)

سر پہ کھڑی ہے موت ذرا ہوشیار ہو
ایسا نہ ہو کہ توبہ سے پہلے شکار ہو

زندہ خدا سے دل کو لگا اے عزیزِ من
کیا اُس سے فائدہ جو فنا کا شکار ہو

کیوں ہو رہا ہے عشقِ بُتاں میں خراب تُو
تجھ کو تو چاہیئے کہ خُدا پر نثار ہو
یادِ خدا میں تجھ کو مِلے لذّت و سرور
بس تیری زندگی کا اِسی پر مدار ہو
تجھ کو اسی کا شوق ہو ہر وقت ہر گھڑی
ہر دم اسی کے عشق کا سر میں خمار ہو
خالی ہو دل ہوائے متاعِ جہان سے
تجھ کو بس اک آرزوئے وصلِ یار ہو
یادِ حبیب سے نہ ہو غافل کبھی بھی تُو
اس بات سے کوئی ترا مانع ہزار ہو
سینہ ترا ہو مدفنِ حرص و ہوا و آز
دل تیرا، تیری آرزوؤں کا مزار ہو
جاہ و جلالِ دنیائے فانی پہ لات مار
گر تُو یہ چاہتا ہے کہ تُو باوقار ہو
ہو فکر تجھ کو روزِ جزا کی لگی ہوئی
اور اس کے غم میں آنکھ تیری اشکبار ہو
تسکینِ دل تو چاہتا ہے گر، تو چاہیئے
دل کو ترے کبھی بھی نہ اے جاں قرار ہو

ایسا نہ ہو کہ تجھ کو گرائے یہ مُنہ کے بل
ہاں ہاں سنبھل کے نفسِ دنی پر سوار ہو

آگاہ تجھ کو تیری بدی پر کرے ضمیر
ناصح ہو دل ترا نہ کہ یہ خاکسار ہو

طالب نگاہِ لُطف کا ہوں مدتوں سے میں
مجھ پر بھی اِک نظر مرے پروردگار ہو

احمدؔ یہی دُعا ہے کہ روزِ جزا نصیب
تجھ کو نبیؐ کریمؐ کا قرب و جوار ہو

آؤ بُلبُل کہ مِل کے نالہ کریں

(سنہ ۱۹۲۰ء)

اہلِ دل سے دیا فقیر ہُوئے
اس فقیری میں ہم امیر ہوئے

جب سے دیکھا ہے رُوئے یارِ ازل
بُت میری آنکھ میں حقیر ہوئے

ان نگاہوں نے کر دیا گھائل
جگر و دل کے پار تیر ہوئے

زاہدو تم سے دِل ملے کیونکر
تم ہو آزاد ہم اسیر ہوئے

دل غنی ہے متاعِ دنیا سے
جب سے اس در کے ہم فقیر ہُوئے

آؤ بلبل کہ مل کے نالہ کریں ہو گیا عرصہ ہمصفیر ہوئے
دل میں کیا جانے کیا خیال آیا
آج نغمہ سرا بشیؔو ہوئے

ترانۂ حمد

بر موقع خرید اراضی برائے مسجد احمدیہ لندن،

(سنہ ۱۹۲۰ء)

آج دل مسرور ہے اپنا طبیعت شاد ہے
مسجدِ لندن کی رکھی جا رہی بُنیاد ہے
ہے بِنا اس کی خدا کے فضل پر اور رحم پر
جو بِنا اس کے مقابل پر ہے وہ برباد ہے
نعرۂ اللہ اکبر اس سے اب ہوگا بلند
شرک کے مرکز میں یہ توحید کی بنیاد ہے
چشمِ بد بیں کور ہو، دستِ مخالف ٹوٹ جائے
دل وہ غارت ہو جو اس کو دیکھ کر ناشاد ہے
ہوش میں آ، اد شمنِ بدخواہ! اپنی فکر کر
سر اُٹھا کر دیکھ ربِّ خلق بالمرصاد ہے

اے خدا اب جلد لا وُہ دن کہ ہم یہ دیکھ لیں
بندِ طبعِ مسلمِ ناشاد پھر آزاد ہے

ہائے وُہ اسلام، وُہ مُسلم، کدھر کو چل بسے
نے وہ شیریں ہی رہی باقی، نہ وہ فرہاد ہے

دینِ حق اِک صید ہے مقہورِ زیرِ دامِ کُفر
ہر طرف آواز و شور و غوغائے صیّاد ہے

اے خدا اسلام کی کشتی کو طوفاں سے بچا
ہم غریبوں کی تری درگاہ میں فریاد ہے

یاس کا منظر ہے لیکن دل ہیں اُمیدوں سے پُر
یاد ہے ہم کو ترا وعدہ خدایا یاد ہے

رحم فرمایا خدا نے سُن لیے بندوں کی پُکار
آگیا وہ دین کا جو منفرد اُستاد ہے

آگیا مہدی مسیحِ وقت، مامورِ خدا
دل میں پھر تازہ ہوئی پہلے سمو نکی یاد ہے

اب گیا وقتِ خزاں اور آگیا وقتِ بہار
باغِ احمدؐ میں ہُوا پھر سبزۂ نوزاد ہے

کرتا مغرب کو پڑے گا اب سرِ تسلیم خم
چل رہی مشرق سے بادِ نصرت وامداد ہے

ہر طرف پھیلے مبشّر خدمتِ دیں کے لیے
ملکِ انگلستاں میں بھی پہنچا ہُوا منّاد ہے

دل ہے حمد و شکر سے لبریز اور سر در سجود
رُوح ہے مسرور، جاں خوش ہے، طبیعت شاد ہے

صد مبارک، صد مبارک، خادمانِ دینِ حق
مسجدِ لندن کی رکھی جا رہی بنیاد ہے

اب ترانہ ہو چکا روزِ جزا بھی یاد کر
اے بشیرِ خستہ جاں قولِ بلیٰ بھی یاد کر

بندۂ رحمٰن کا بن بندۂ شیطان نہ ہو

(۱۹۲۰ء)

ہائے وہ سَر جو رہِ یار میں قربان نہ ہو
وائے وہ سینہ کہ جو عشق میں بریان نہ ہو

حیف اس رُوح پہ جو مستِ رُخِ یار نہیں
تُف ہے اُس آنکھ پہ جو شوق میں گریان نہ ہو

دل یہ کہتا ہے اِسی در پہ رما دے دھونی
نفس کہتا ہے کہ اُٹھ مُفت میں ہلکان نہ ہو

زندگی ہیچ ہے انساں کی دنیا میں اگر
سینہ میں قلب نہ ہو، قلب میں ایمان نہ ہو
آدمی وادیٔ ظلمت میں بھٹکتا مر جائے،
رہنمائی کا اگر عرش سے سامان نہ ہو
ہاتھ گر کام میں ہو دل میں ہو ربِّ ارباب
کوئی مشکل نہیں دنیا میں کہ آسان نہ ہو
واعظا! شرم سے مر جانے کی جا ہے صد حیف
لب پہ قرآن ہو، پر سینہ میں قرآن نہ ہو
نخلِ ایمان پنپنے کا نہیں زاہد خشک
سینچنے کو اسے گر چشمۂ ایمان نہ ہو
چھوڑ کر راہِ خدا! راہِ بتاں پر مت جا
عقل دی ہے تجھے اللہ نے نادان نہ ہو
نسلِ آدم ہے تو، ابلیس کے پیچھے مت چل
بندۂ رحمان کا بن، بندۂ شیطان نہ ہو
رحم کر، ظلم نہ ڈھا، آہِ غریباں سے ڈر
کام وہ کر، جسے کر کے پشیمان نہ ہو
غیر ممکن ہے کٹے راہِ طریقت جب تک
جامِ اعمال نہ ہو بادۂ ایمان نہ ہو

سر میں ہو جوشِ جنوں، دل میں ہو عشقِ محبوب
خوفِ دوزخ نہ رہے، خواہشِ رضوان نہ ہو

اب تو خواہش ہے وہاں جا کے لگائیں ڈیرا
دیکھنے کو بھی جہاں صورتِ انسان نہ ہو

دل میں اِک آگ ہے اور سینہ مرا غم سے تپاں
وائے قسمت، اگر اس درد کا درمان نہ ہو

ہُوں گنہگار و لے ہُوں تو ترا ہی بندہ
مجھ سے ناراض، ترے صدقے مری جان نہ ہو

یاس اِک زہر ہے بچ اس سے بشیرِ عاصی
فضل ہو جائے گا اللہ کا، پریشان نہ ہو

قصیدہ درمدح حضرت مسیح موعودؑ و تبلیغ سلسلہ

۱۹۲۰
(اشعار ۶)

دل ہے سرگرم دمحوِ یادِ یار — روح مستِ محبتِ دلدار
میرا ہر ذرہ شکر سے معمور — جاں رہینِ عنایتِ دادار
بُوئے گل سے ہوا معطر ہے — باغِ احمد میں آگئی ہے بہار

ہے گلستاں میں وہ مہک پیدا
جس سے شرمندہ بوئے مشکِ تتار

پھر شگوفہ کھلا ہے بستاں میں
نخلِ اسلام پھر ہے لایا ثمار

چہچہاتی ہے باغ میں طوطی،
گا رہی ہے خوشی کے راگ ہزار

آگیا رونقِ بہارِ حسن
دلبر و دلستان، اور دلدار

بے نظیر و یگانہ اندر خلق
منفرد زیرِ گنبدِ دوّار:

آگیا مہدی و مسیحِ زماں
رہبرِ دینِ احمدِ مختار

آگیا جانشینِ خیرِ رسل
نائبِ بادشاہِ ہر دو دیار

آگیا شہر یارِ ملکِ دیں
جیشِ اسلام کا سپہ سالار

اب گیا وقتِ ذلت و خواری
آگیا وقتِ عزت و جاہ و وقار

مسلمِ نیم جان! آنکھیں کھول
بختِ خوابیدہ ہو گیا بیدار

چل رہی ہے نسیمِ رحمت کی
آج ہے عاصیوں کا بیڑا پار

دشمنِ بدخصال! ہوش میں آ
سوچ اڑتا ہے کس پہ تیرا وار

یاد کر جب کہ کفر کا تھا زور
دینِ حق چھپ گیا تھا زیرِ غار

نورِ ایمان تھا ہوا مفقود
پڑ گیا تھا دلوں پہ گرد و غبار

باغِ احمد میں آگئی تھی خزاں
پھول تھے کم ہوئے بڑھے تھے خار

دین پہ وار کفر و بدعت کے
ہو رہے برملا تھے لیل و نہار

ہو گیا تھا ہوا میں پیدا زہر — اور بگڑ سب گئے تھے بر و بحار
کس نے پھر آ کے رنگ بدلا یہ — باغِ احمدؐ میں کون لایا بہار
کس نے ایمان پھر کیا قائم — اور بہا دیں یقین کی انہار
شانِ اسلام کس نے ظاہر کی — کس نے پیدا کیا وہ دیں کا شعار
کس نے آ کر جمایا دُنیا میں — پھر وہ رنگِ محمدؐی دربار
کس نے دیوِ ضلال و بدعت کو — اپنے حملوں سے کر دیا فی النّار
کس نے قصرِ عقیدۂ "تثلیث" — کر دیا ایک ضرب سے مسمار
کس کے دھاووں سے تنگ آ کر — کفر کی فوج ہو رہی ہے فرار
ہاں کبھی یہ بھی تُو نے غور کیا — دشمنِ حق! تجھے خدا کی سنوار
کون تھا وُہ کہ واسطے جس کے — مہر و مہ ہو گئے تھے تیرہ و تار
کون تھا وُہ کہ واسطے جس کے — خالی طاعون نے کر دیئے تھے دیار
کون تھا وُہ کہ واسطے جس کے — چل گئی تھیں یہ خُون کی انہار
کون تھا وُہ کہ واسطے جس کے — زار کا ہو گیا تھا حالِ زار
کون تھا وُہ کہ واسطے جس کے — ہل گئے زلزلوں سے شہر و دیار
کون تھا وہ کہ سامنے جس کے — جو اُٹھا وہ ہُوا ذلیل و خوار
یاد کر تو وہ خصمِ روبہ مثال — ہاویہ میں گرا جو آخرکار
یاد کر وہ عدو، کہ تیرِ دُعا — جا لگا تھا جسے سمندر پار

یاد کر وُہ عنیدِ بدباطن — پیٹ میں جس کے گھس گئی تھی کٹار
یاد کر وُہ مکفّرِ اوّل، — خوار کرتا تھا پر ہُوا خود خوار
یاد کر دشمنِ درازِ رسن — اپنے ہی دام کا ہُوا جو شکار
یاد کر پھر وہ ڈاکٹر مرتد، — جس پہ کھینچی فرشتہ نے تلوار
کیا نہیں یہ مقامِ عبرت کا — ہائے تو کر کبھی تو سوچ بچار
سوچ، پھر سوچ، دشمنِ ناداں — سوچ، پڑتا ہے کس پہ تیرا وار
فرق ہیں از کجاست تا بکجا — تو ہے شیطاں کا، وُہ خدا کا یار

احمدی! تجھ کو شکر کی جا ہے — تُو نے ایماں کے پالئے ہیں ثمار
تجھ کو اللہ نے نوازا ہے — تجھ کو بخشا ہے اُس نے قرب وجوار
تجھ پہ اُس نے کیا ہے فضل وکرم — تجھ پہ کی ہے نگاہِ لطف وپیار
یہ ہے وہ بار جو نہ اُترے گا، — جان بھی اپنی گر کرے تُو نثار
اب کوئی راہ ہے تو ہے یہی ایک — جس سے کچھ اُترے شکر کا یہ بار
عشقِ مولا میں جل کے ہو جا خاک — راہ مولا میں پھر اُڑا یہ غبار
تا زِ شور و فغانِ عاشقِ زار — خلق گردد ز خواب خود بیدار

اس زمانہ کے مُسلمان اَور اُن کے لیڈر

ترے اسلام پر کیونکر ہو شیدا کوئی اے مُسلم
جو نقشہ پیش تُو کرتا ہے وہ تصویر اُلٹی ہے

مُسلمانو! تمہاری سعی کیسے بارآور ہو
اِدھر تدبیر اُلٹی ہے، اُدھر تقدیر اُلٹی ہے

مرض بڑھتا ہی جاتا ہے خدارا ہوش میں آؤ
دوا اُلٹی نہیں ہے گر، تو کیوں تاثیر اُلٹی ہے

اُمورِ دین میں کیا موت پڑتی ہے تجھے واعظ
کہ سارے کام سیدھے ہیں مگر تفسیر اُلٹی ہے

ترے پندو نصیحت سے مرا دل اور رُکتا ہے
سمجھ اُلٹی ہے میری یا تری تقریر اُلٹی ہے

دل و سر جب تلک سیدھے تھے سیدھی بات تھی تیری
اَب اُلٹے ہیں تو اُلٹا قول ہے تحریر اُلٹی ہے

خدایا خواب کی صورت میں یہ نقشہ بدل دے تُو
کھلے جب آنکھ تب معلوم ہو تعبیر اُلٹی ہے

٭

قطعہ

خطاب بہ نوجوانانِ جماعتِ احمدیّہ

حُسن اپنا ہی نظر آیا تو کیا آیا نظر
غیر کا حُسن بھی دیکھے وہ نظر پیدا کر

چشمِ احباب میں گر تُو نے جگہ پائی تو کیا
حسن و احساں سے دلِ خصم میں گھر پیدا کر

یہ زر و مال تو دُنیا ہی میں رہ جائیں گے
حشر کے روز جو کام آئے وہ زر پیدا کر

ہے وہ کس کام کا، گر خشک ہے نخلِ ایماں
سینچ عرفان کے پانی سے، ثمر پیدا کر

احمدی! گر تجھے بننا ہے صحابہؓ کا مثیل
دست و بازو، وُہ دل و سر، وُہ جگر پیدا کر

پھر وہی نالہ، وُہی نیم شبی اُن کی دُعا
پھر وُہی گریہ، وُہی دیدۂ تر پیدا کر

پھر وہی رنگِ وفا اور وہی شورشِ عشق
پھر وہی سوز، وہی درد و اثر پیدا کر

پھر وہی زہد، وہی تقویٰ، وہی نفس کشی
ہاں وہی ضبط وہی عشق بصر پیدا کر
وحدت و طاعت و بے نفسی و صدق و اخلاص
حکمت و معرفت و علم و ہنر پیدا کر
دین پر مال و تن و جان تھے اُن کے قرباں
رنگ یہ ہو سکے تجھ سے بھی اگر، پیدا کر
شان اسلام کی قائم جو اُنہوں نے کی تھی
نقشہ عالم میں وہی بارِ دگر پیدا کر
سخت مشکل ہے کہ اس چال سے منزل یہ کٹے
ہاں اگر ہو سکے پرواز کے پَر پیدا کر

رُباعیات

خطاب بہ امیر گروہ غیر مبائعین

نہیں بیچتے چند پیسوں پہ دیں ہم
نہ بنتے ہیں غیروں کے جا کر قریں ہم
اگر خفیہ کوشش کی کہتے ہو سُن لو
کہ ھُتُوا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا نہیں ہم

ایضاً

تم جو تدبیر سے چالیس کے بن بیٹھے امیر
یہ نہ سمجھے کہ یہ تدبیر نہیں ہے تقدیر
اب اگر ہوش میں آئے ہو تو ہے عرض مری
مولوی جی! کوئی وحدت کی بھی سوچو تدبیر

ایضاً

خوب اے دوست ہمیں تو نے یہ انعام دیا
غیر سے صلح ہمیں جنگ کا پیغام دیا
اچھا قسّام ہے تو خوب ہے قسمت تیری
کُفر اپنوں کو دیا، غیر کو اسلام دیا

یورپ کی زندگی

ہوش میں آ جا تو اے یورپ یہ مستی چھوڑ دے
کر بلندی کی طرف پرواز، پستی چھوڑ دے
زندہ اپنے آپ کو کہنے سے کچھ بنتا نہیں
ہم تو تب مانیں کہ تو مُردہ پرستی چھوڑ دے

☆

طریقِ امن

رحم ہو دل میں ترے، بیجا کوئی تیزی نہ ہو
وقت پر سختی بھی ہو، پر آبرو ریزی نہ ہو
امن کی گر زندگی تو چاہتا ہے اے بشیرؔ
صاف گوئی تجھ میں ہو، پر فتنہ انگیزی نہ ہو

قمر الانبیاءؓ کا آخری منظوم کلام

قمر الانبیاء، حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تحریر کا خاص ملکہ اور ایک اچھوتا اسلوبِ بیان سلطان القلم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ایک عطیہ خداوندی کے طور پر ورثہ میں ملا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس عظیم الشان اور مقدس ورثہ کی بدولت نہایت ہی قابلِ قدر اور علم و معرفت سے لبریز کتابیں تصنیف فرمائیں جن سے اسلام کے شیدائی اور روحانیت کے پیاسے قیامت تک مستفیض ہوتے

چلے جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

زبان و قلم پر غیر معمولی قدرت کے علاوہ آپ کو کلام منظوم میں بھی دسترس عطا کی گئی تھی۔ چنانچہ آپ نے گاہے گاہے سرقت میں ڈوبی ہوئی بعض مسحور کن نظمیں بھی رقم فرمائیں۔ لیکن شعر گوئی اور اس میں شغف اختیار کرنے سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ شاذ کے طور پر جب کبھی کوئی نظم کہی محض ارتجالاً کہی اور وہ بھی بلا تکلف دلی جذبات کے بے لاگ اظہار کی غرض سے۔ جہاں تک خیال پڑتا ہے آپ کا آخری منظوم کلام وہ پُر معارف نظم ہے جو آپ نے ۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۸ء کو کہی اور اگلے ہی روز یعنی ۳۱ر اکتوبر ۱۹۴۸ء کے الفضل میں "اے مالک کون و مکاں آؤ ہمیں کو لوٹ لو" کے زیر عنوان شائع ہوئی۔ اس نظم پر آپ نے خود اپنے قلم سے ایک نوٹ بھی رقم فرمایا تھا۔ وہ نوٹ خود بہت لطیف اور پر معارف نکات پر مشتمل ہے اور اس سے حضرت میاں صاحبؓ کے مافی الضمیر اور نظم کی اصل روح کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ ہم ذیل میں حضرت میاں صاحب کا رقم فرمودہ نوٹ اور وہ نظم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:۔

مسعود احمد دہلوی

مدیر انصار اللہ ربوہ

اے مالکِ کون و مکاں آؤ مکیں کو لُوٹ لو

لُوٹ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ کسی کے مال یا جان پر ظلم کے رنگ میں ڈاکہ ڈالا جائے۔ یہ لُوٹ بدترین گناہوں میں سے ہے۔ دوسری قسم کی لُوٹ یہ ہے کہ پاک محبت کے تاروں میں باندھ کر دوسرے کے مال و جان کو اپنا بنا لیا جائے۔ ایسی لوٹ انسانی روح کی جلاء کے لیے ایک بھاری نعمت ہے۔ سو ذیل کے اشعار میں اسی قسم کی روحانی لوٹ کا ذکر ہے جس میں اپنے آسمانی آقا کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ آئے اور ہمارے جان و مال کو لوٹ لے جو شرع سے اسی کے ہیں لیکن ہم لوگوں نے اپنی کوتاہ نظری یا بیوفائی سے اپنے سمجھ رکھے ہیں مگر خیال رہے کہ میں شاعر نہیں ہوں۔ اگر فنِ نظم گوئی کے لحاظ سے کوئی غلطی نظر آئے تو وہ قابلِ معافی سمجھی جائے۔ اصل غرض دلی جذبات کا اظہار ہے۔ پہلے دو شعروں میں ایک قرآنی آیت کا مفہوم پیشِ نظر ہے۔

خاکسار

مرزا بشیر احمد

رتن باغ لاہور ۲۸/۵/۳۰

(نظم اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

مری سجدہ گاہ لوٹ لو میری جبیں کو لوٹ لو
میرے عمل کو لوٹ لو اور میرے دیں کو لوٹ لو
میری حیات و موت کا مالک ہو کوئی غیر کیوں
تم میری ہاں کو لوٹ لو، میری نہیں کو لوٹ لو
رنج و طرب میرا سبھی لیں ہو تمہارے واسطے
روحِ سرور لوٹ لو، قلبِ حزیں کو لوٹ لو
جب جاں تمہاری ہو چکی پھر جسم کا جھگڑا ہی کیا
مرا آسماں تو لٹ چکا اب تم زمیں کو لوٹ لو
نانِ جویں کے ماسوا دل میں مرے ہوس نہیں
چاہو تو اے جاں آفریں نانِ جویں کو لوٹ لو
گھر بار یہ میرا نہیں اور میں بھی کوئی غیر ہوں؟
اے مالکِ کون و مکاں آ و مکیں کو لوٹ لو

(ماہنامہ انصار اللہ ربوہ ستمبر ۱۹۶۳ء)